ٹیکس کی شرعی حیثیت ایک نظر ایک جائزہ

مفتی حق نواز اُختر کوہاٹی

مدرس: جامعہ ابوھریرہؓ اتحاد ٹاؤن، کراچی

اسلام ایک عالمگیر دعوت اور ہمہ گیر انقلاب کا داعی ہے وہ دنیائے انسانیت کی نہ صرف معاشی فلاح واصلاح کا خواہش مند ہے، بلکہ وہ مذہبی، اخلاقی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی ہر قسم کی دینی اور دنیوی فلاح و بہبود کا علمبردار بھی ہے۔ اس کے نزدیک انسان کی منتہاء ومقصود صرف دنیوی ترقی وکمال ہی نہیں بلکہ سعادتِ ابدی اور رضائے الٰہی بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام ہر شعبہ زندگی کے لئے ایک جامع نظامِ حیات پیش کرتا ہے۔ اور انہیں شعبہ ہائے زندگی کا ایک شعبہ محاصل (ٹکسیز) بھی ہے۔

ٹیکس کی شرعی حیثیت جاننے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ٹیکس کسے کہتے ہیں ؟ ۔

ٹیکس یہ انگریزی زبان کا لفظ ہے۔ عربی زبان میں اس کے لئے مختلف الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً محصول، مکس، جزیہ، خراج وغیرہ

ٹیکس کی تعریف:

لفظِ ٹیکس کو مال کی اس مخصوص مقدار کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جو ملکی نظام کو چلانے کے لئے مختلف صورتوں میں لوگوں سے وصول کیا جاتا ہے، اس کی وصولی ایک نظام کے تحت ہوتی ہے اور جن لوگوں پر یہ ٹیکس عائد ہو جاتا ہے، اگر وہ وقت مقررہ پر ادائیگی نہ کرے تو ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جاتی ہے۔

ٹیکس کی اقسام:

موجودہ دور میں ٹیکس کی دو قسمیں رائج ہیں۔

(۱).....بالواسطہ ٹیکس ، (۲).....بالاواسطہ ٹیکس

بالواسطہ ٹیکس:

اس سے مراد وہ ٹیکس ہے کہ جس کی ادائیگی کرنے والوں کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ ان سے ٹیکس وصول کیا جارہا ہے، جیسے سیلز ٹیکس (جو وصول تو دوکاندار سے کیا جاتا ہے، لیکن دوکاندار ہر چیز کے فروخت کے وقت یہ ٹیکس اپنے خریدار سے وصول کر لیتا ہے۔)

بالاواسطہ ٹیکس:

اس سے مراد وہ ٹیکس ہے، جو کسی کی ذاتی آمدنی پر عائد ہوتا ہے، جیسے دولت ٹیکس (یہ ٹیکس جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ پر عائد کیا جاتا ہے، جبکہ اس کی مالیت ایک خاص حد تک پہونچ جائے۔)

زمانہ جہالیت میں ٹیکس:

تاریخ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ ٹیکس ایک قدیم ترین محصول ہے، جو اسلام سے قبل مختلف ادوارِ حکومت میں رائج تھا اس کا ذکر، مقدار، کیفیت کی تبدیلی کے ساتھ فراعنہ، رومیوں اور فارسیوں کے ادوارِ حکومت میں ملتا ہے۔

اسلام میں ٹیکس کا تصور:

ظہورِ اسلام سے قبل زمانہ جہالیت میں مختلف قسم کے ٹیکسز رائج تھے۔ مختلف ممالک کے بادشاہ، جاگیردار اور سرداران اپنے ماتحتوں سے ظلم وزیادتی کر کے ٹیکس لیتے تھے اور ان کو کسی قسم کی سہولت فراہم نہیں کرتے تھے۔

اسلام نے ٹیکسز کو دو قسموں " (۱)..... ظالمانہ ٹیکس ، (۲)..... عادلانہ ٹیکس " پر تقسیم کر کے " ظالمانہ ٹیکس " کو بالکلیہ ختم کر دیا۔ ایسا ٹیکس جو ظالمانہ وجابرانہ ہو نہ مسلمانوں پر لگایا جاسکتا ہے اور کافروں وذمیوں پر۔

ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والے کو آپ ﷺ نے جہنمی قرار دیا ہے۔

۱.عن عقبة بن عامر سمعت رسول الله ﷺ قال:"لايدخل الجنّة صاحب مكس ."

(ابوداؤد: ج ۲،ص ۵۹ ط قدیمی کتب خانہ،کراچی۔)

ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والے کی مغفرت نہیں ہوگی۔

۲."ان الله يدنو من خلقه فيغفر لمن استغفر الا البغي بفرجها أو لعشار."

(الطبرانی ،المعجم الكبير: ج ۷ ص ۷۳۸ ط المكتبة الشاملة) .

ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والا اپنے پیٹ میں جھنم کی آگ بھرتا ہے۔

۳۔حافظ منذریؒ لکھتے ہیں:

"امالان فانهم يأخذون مكسا باسم العشر ومكوسا اخرى ليس لها اسم بل شيء يأخذونه حراما وسحتا ويأكلونه في بطونها نارا جهنم فيه داحضة عند ربهم وعليهم غضب ولهم عذاب شديد."

(الترغيب والترهيب : ج ۱ ص ۶۱۶ ، ط حقانية ،پشاور.) .

ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔

۴۔امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ناجائز ٹیکس عائد کرنا اور اسے ظلماً وصول کرنا اللہ تعالی کے اس فرمان میں داخل ہے :

" انما السبيل على الذين يظلمون الناس ويبغون في الارض بغير الحق اولئك لهم عذاب اليم"

(كتاب الكبائر : ص ۱۱۵، ط دار الكتب العلمية ،بيروت) .

ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والے کو قتل کر دیا جائے۔معجم کبیر میں ہے:

۵."ان لقيتم عشارا فاقتلوه. "

(الطبرانی ،المعجم الكبير: ج ۴،ص ۲۱۱ ط المكتبة الشاملة) .

عادلانہ ٹیکس:

شریعتِ اسلامیہ غیر مسلموں پر چند عادلانہ ٹیکس لگاتی ہے، جو تقریباً چار ہیں۔

خراج:

خراج کے معنی لغۃً " پیداوار " کے ہیں۔

خراج اصطلاح میں " وہ زرعی ٹیکس ہے جو بنیادی طور پر اسلامی مملکت کی غیر مسلم رعایا پر لگایا جاتا ہے "۔ (مقبوضہ علاقوں کی زمینیں ان کے سابقہ مالکوں کے قبضہ میں رہنے دی جائے اوران کی پیداوار پر ٹیکس عائد کیا جائے) یہی ٹیکس " خراج " کہلاتا ہے۔ اسلام میں سب سے پہلے خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے عراق کی مفتوحہ زمینوں پر خراج مقرر فرمایا۔

(قاموس الفقہ: ج ۳، ص ۳۱۳، ط زمزم پبلشرز، کراچی۔)۔

عشور:

اصطلاح شریعت میں عشور سے مراد وہ محصول اور امپورٹ ڈیوٹی ہے جو غیر مسلموں اور ذمیوں کے ان اموال سے وصول کی جاتی ہے جو وہ تجارت کی غرض سے دارالاسلام لاتے ہیں۔

" مایؤخذمن تجارة اهل الحرب و اهل الذمةعند ما یتجازون بهاحدود الدولة الاسلامیة وقدکان یؤخذفی القدیم عشرمایحملونه " (معجم الفقهاء: ج ۱، ص ۳۱۲، المکتبة الشاملة).

حضرت عمرؓ نے غیر مسلم تاجروں سے کل مال پر عشر (دسواں حصہ) لینے کا حکم فرمایا، کیونکہ غیر مسلم ریاستیں مسلم تجار سے بھی اسی شرح سے تجارتی ٹیکس وصول کرتی تھی اس بناء پر اس تجارتی ٹیکس کا نام "عشور" رکھا گیا۔

" ان تجارامن قبلنامن المسلمین یأتون ارض الحرب فیأخذون منهم العشر ....خذانت منهم کمایأخذون من تجارالمسلمین ....الخ " (کتاب الخراج لابی یوسف: ص ۱۴۹، ط المکتبة الازهریة للتراث).

یادرہے کہ مسلمان سے تجارتی ٹیکس وصول کرنا شرعاً جائز نہیں اس کے اموال پر صرف زکوٰۃ ہے، اس لئے مسلمانوں سے جو ڈیوٹی "عشور" کے نام پر وصول کی جاتی تھی اس کی حیثیت وہ نہ تھی جو غیر مسلموں سے وصول کی جاتی تھی، جیسے کہ امام ابو یوسفؒ نے وضاحت فرمائی:

" کل ماأخذمن المسلمین من عشور فسبیله سبیل الصدقةوسبیل مایؤخذمن اهل الذمة

واھل الحرب فسبیل الخراج " (کتاب الخراج لابی یوسف: ص ۱۴۸ ، ط المکتبة الازھریة للتراث) .

ضریبۃ / غلۃ:

یہ بھی ایک اسلامی ٹیکس ہے جو غلاموں پر عائد کیا جاتا ہے۔ آزاد مسلمانوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

" الضریبة بفتح المعجمة فعیلة بمعنی المفعولة :وھی مایقدرہ السیّد علی عبدہ فی کل یوم " .

(ابن حجر،فتح الباری۔: ج ۷،ص ۱۲۰ ،المکتبہ الشاملة) .

جزیۃ:

یہ وہ عادلانہ ٹیکس ہے جو غیر مسلم رعایا سے ان کی جان ومال کی حفاظت کے عوض لیا جاتا ہے۔

"وھو مالزم الکافر من مال لأمنه واستقرارہ تحت حکم الاسلام وصونه "

(الموسوعة الفقھیة : ج ۳۰،ص ۱۰۱ ،ط حقانیه ،کوئٹه) .

اس ٹیکس کی وجہ غیر مسلم رعایا کو وہ تمام شہری سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں جو ملک کے مسلمان شہریوں کو مہیا کی جاتی ہیں۔ یہ ٹیکس عملاً اس بات کا اقرار واظہار ہے کہ وہ (غیر مسلم رعایا) اس ملک کے آئین وقانون کا احترام کریں گے اور قیامِ امن وامان؛ میں منتظمینِ مملکت کے ساتھ تعاون جاری رکھیں گے۔ قرآن کریم اس کی طرف یوں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

"قاتلوا الذین لایؤمنون باللہ ولاباليوم الاخرولایحرمون ما حرم اللہ ورسوله ولایدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیة عن ید وھم صاغرون . (توبة: ۹) .

(کذافی الاحکام السلطانیة لأبی الحسن الماوردی : ص ۱۸۲ ،مکتبه دارالکتب العلمیة،بیروت) .

کیا مسلمانوں پر شرعاً کوئی ٹیکس لاگو ہوتا ہے؟

شریعتِ اسلامی نے ظالمانہ ٹیکس کو تو غیر مسلموں سے بھی دور کیا، البتہ ان (غیر مسلموں) پر عادلانہ ٹیکس کو لازم کیا، لیکن مسلم عوام پر کسی قسم کا ٹیکس لاگو کیا نہ ظالمانہ، نہ عادلانہ۔

۱.”لیس علی المسلم جزیة “ . (جامع الترمذی ج ۱،ص ۱۳۸،ط قدیمی کتب خانہ،کراچی) ۔

۲.عن سعید بن زید قال :سمعت رسول اللہ ﷺ یقول : ”یا معشر العرب احمدوا اللہ الذی رفع عنکم العشور“. (مسند احمد بن حنبل:ج ۱ص ۱۹۰، ط دار الفکر بیروت) ۔

۳.عن ابی ہریرہؓ :ان النبی ﷺ قال : ” اذاادیت زکوة مالک فقد قضیت ماعلیک “

(جامع الترمذی ج ۱ص ۱۳۴،ط قدیمی کتب خانہ،کراچی) ۔

۴. عن مسروق عن علیؓ قال :قال : رسول اللہ ﷺ ” نسخت الزکوة کل صدقة .“

(احکام القرآن للجصاص: ج ۱،ص ۱۸۵، ط قدیمی کتب خانہ،کراچی ۔)

یہ بات مذکورہ بالا روایات سے واضح ہوچکی کہ شریعتِ مطہرہ نے مسلمانوں کے اموال پر کسی قسم کا کوئی ٹیکس لاگونہیں کیا۔ مسلمانوں کے اموال پرصرف زکوۃ اورعشر واجب ہے۔اس کے علاوہ کوئی ٹیکس واجب نہیں،اگر حکومتِ وقت مسلمانوں سے کوئی ٹیکس وصول کرتی ہے تو یہ ٹیکس وصول کرنا ناجائز اورحرام ہے۔

مسلمانوں پر قانوناً ٹیکس لاگو کرنے کا شرعی جائزہ:

شریعتِ مطہرہ مسلم رعایا پر کسی قسم کا کوئی ٹیکس لاگو کرنے کے معاملے میں انتہائی حساس ہے۔عام حالات میں اس طرح کا ٹیکس لگانے کوظلم قرار دیا گیا ہے،جس پر احادیث میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں اور تاریخی حقائق سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ عہد نبوی۔علی صاحبھا الف الف تحیۃ۔قبل ازفتوحاتِ خیبر ومکہ حکومتی کاروبار چلانے ،ریاستِ مدینہ کوطاقتوردشمنوں کے خوفناک حملوں سے بچانے کے لئے ،رفاہی کاموں کی انجام دہی کے لئے”زکوۃ وصدقاتِ نافلہ“ ہی واحد سبب اورذریعہ تھا۔اسلامی فتوحات کے بعد مالِ غنیمت ،فئی ،مفتوحہ علاقوں کا خراج ،اہلِ ذمہ کا جزیہ وغیرہ بیت المال کی آمدنی میں کثیر اضافی کا سبب بنے اور یہی وہ جائز ذرائع آمدن ہیں جن سے حکومتی اخراجات پورے کئے جائیں ،لیکن ظاہر ہے کہ اس دور میں حکومت مخلص بھی قائم ہوجائے تو بھی پہلے کے مقابلے میں اس کے اخراجات زیادہ ہیں اورحکومتی ذرائع آمدن کم ہیں۔مالِ غنیمت ،فئی ،جزیہ وغیرہ کا تو تصور ہی نہیں۔اموالِ ظاہرہ کی زکوۃ بھی حکومت وصول نہیں کرتی ،نہ ہی عشر کی وصولی کا کوئی انتظام ہے،اس لئے حکومت کوچلانے ،ملک کے نادار طبقے کی ضروریات پورا کرنے کے لئے عادلانہ ٹیکس لاگو کرنے کے علاوہ کوئی صورت کارگر نظر نہیں آتی ۔یہی وجہ ہے کہ سابقہ ادوار میں بناء بر ضرورت علماء نے اس کی وصول کرنے کی اجازت دی۔امام شاطبیؒ کے زمانے میں اندلس کے بعض علاقوں میں دفاعی مصالح کے تحت

شہر پناہ تعمیر کرنے کے لئے ایک خصوصی ٹیکس عائد کیا گیا تھا اندلس کے مفتیان کرام نے اسے خلاف شریعت قرار دیا لیکن امام شاطبیؒ نے ''مصالح مرسلہ'' کے تحت اس کے جواز کا فتوی دیا اور اس کے حق میں دلائل پیش کئے۔ اندلس ہی میں جب پانچویں صدی ھجری میں یوسف بن تاشفین کے دور میں دفاعی اغراض کے تحت مزید ٹیکس عائد کرنے کی ضرورت پڑی تو علماء سے اس بارے میں فتوی طلب کیا گیا متعدد علمائے کرام جن میں فقہ مالکی کے مشہور عالم ''ابو الولید الباجیؒ'' بھی شامل تھے، سب نے یہ فتوی دیا کہ حسب ضرورت مزید ٹیکس عائد کیا جا سکتا ہے۔

(ابو العباس، أحمد بن محمد بن أبو بکر بن خلکان، وفیات الاعیان: ج ۷، ص ۱۱۹، ط المکتبۃ الشاملۃ) ۔

لیکن یاد رہے کہ حکومت وقت کو چند شرائط کی رعایت کرنے کے بعد ٹیکس لگانے کی گنجائش ہے اور عوام کے لئے اس قانون کی پابندی کرنا اور مقررہ ٹیکس ادا کرنا لازم ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزم ظاہریؒ لکھتے ہیں:

''وفرض علی الاغنیاء من أهل کل بلد أن یقوموا بفقرائهم ، ویجبرهم السلطان علی ذلک ، إن لم تقم الزکوات بهم ، ولا فئی سائر الاموال المسلمین بهم ، فیقام لهم بمایأکلون من القوت الذی لابدمنه ، ومن اللباس للشتاء والصیف بمثل ذلک ،وبمسکن یکنهم من المطر والصیف والشمس وعیون المارة.''

(ہر ملک کے مالدار لوگوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے (ملک کے) غریبوں کی کفالت کریں، اگر زکوۃ کی آمدنی اس کے لئے کافی نہ ہو تو حکمران ان (مالدار طبقے) کو ایسا (غریبوں کی کفالت) کرنے پر مجبور کرے گا، ان غریبوں کے لئے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا کہ جس سے وہ بقدر ضرورت غذا حاصل کر سکیں اور اس طرح سردی وگرمی کا لباس اور ایسا مکان جوان کو بارش، سردی، گرمی اور راہ گیروں کی نگاہ سے محفوظ رکھے۔'' (المحلی بالاثار: ج ۴، ص ۲۸۱ ط دار الکتب العلمیۃ، بیروت) ۔

امام قرطبیؒ نے اس کے جواز پر علماء کے اتفاق کو نقل کیا ہے:

''وأتفق العلماء علی أنه اذانزلت بالمسلمین حاجة بعدأداء الزکاة فإنه یجب صرف المال إلیها.''

(احکام القرآن: ج ۲، ص ۲۳۷، ط حقانیہ کوئٹہ۔)

قاضی ابو بکر ابن العربیؒ نے بھی اتفاق علماء کو نقل کیا ہے:

''لیس فی المال حق سوی الزکاة، وإذاوقع أداء نزلت بعد ذلک حاجة فإنه یجب صرف المال إلیهابأتفاق من العلماء.'' .(احکام القرآن: ج ۱، ص ۶۰، ط دار الاحیاء التراث العربی، بیروت) ۔

امام غزالیؒ نے اس مسئلے پر بڑی مفصل بحث کی ہے۔ پہلے تو ان حکام کی بڑی مذمت کی ہے جو اپنی فوج کے عیش وعشرت پر خرچ کرنے کے لئے ٹیکس عائد کرتے ہیں اس کے بعد فرماتے ہیں:

"فأما لو قدرنا إماما مطاعا مفتقرا إلى تكثير الجنود لسد الثغور ، حماية الملك بعد اتساع رقعته وانبساط خطّته ، وخلا بيت المال عن المال، وأرهقت حاجات الجند إلى ما يكفيهم ، ودخلت عن كفايتهم أيديهم ، فللإمام أن يوظف على الاغنياء ما يراه كافيا لهم في الحال إلى أن يظهر مال في بيت المال ، ثمّ إليه النظر في توظيف ذلك على وجوه الغلّات والثّمار كي لا يؤدّي تخصيص بعض الناس به إلى إيغار الصدور، وإيحاش القلوب ويقع ذلك قليلا من كثير لا يجحف بهم و يحصل به الغرض."

(ابو حامد، محمد بن محمد، شفاء الغليل: ص ۱۳۱ ط دار الکتب العلمیۃ، بیروت) ۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ایسا ہو کہ اس کی اطاعت واجب ہو، ملک کی دفاع کے لئے اس کی واقعۃ حقیقی ضرورت ہو، بیت المال مال سے خالی ہو، ٹیکس اتنا ہی لگایا جائے جو ضرورت پوری کرنے کے لئے کافی ہو، یہاں تک کہ بیت المال میں وسعت پیدا ہو جائے، ٹیکس کی لوگوں پر تقسیم میں انصاف سے کام لیا جائے، یہ نہ ہو کہ کسی پر بہت زیادہ عائد ہو اور اسی قسم کے دوسرے شخص پر کم ہو۔

یہاں ایک بات ذہن میں رہے کہ حکام کی جانب سے چونکہ ظلم وزیادتی کا اطمینان کرنا مشکل ہے اس لئے فقہاء کرامؒ نے یہ مسئلہ ڈرتے ڈرتے بیان کیا ہے اور اس کی تشہیر کرنے سے منع کیا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

" قال ابو جعفر البلخي : ما يضرب به السلطان على الرعية مصلحة لهم يصير دينا واجبا وحقّا مستحقّا كالخراج ، وقال مشائخنا: كل ما يضر به الامام عليهم لمصلحة لهم فالجواب هكذا، حتّى أجرة الحراسين لحفظ الطريق واللصوص ، نصب الدروب ، وأبواب السكك ، وهكذا يعرف ولا يعرّف خوف الفتنة .ثمّ قال :فعلى هذا ما يؤخذ في خوارزم من العامة لاصلاح مسناة الجيحون والربض ونحوه من مصالح العامة دين واجب لا يجوز الامتناع عنه وليس بظلم ، ولكن يعلم هذا الجواب للعمل به وكف اللسان عن السلطان وسعاته فيه لا لتشهير حتى لا يتجاسروا في الزيادة على القدر المستحق اه.

قلت :ينبغي ذلك بما إذا لم يوجد في بيت المال ما يكفي لذلك . "

(ابو جعفر بلخیؒ فرماتے ہیں کہ سلطان جو ٹیکس رعایا کی مصلحت کی خاطر ان پر لگائے وہ ایک واجب دین بن جاتا ہے اور خراج

کی طرح وہ بھی ایک واجب حق ہے اور ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ: امام جو کوئی ٹیکس لوگوں پر لگائے اس کا حکم بھی یہی ہے یہاں تک کی چوروں سے راستوں کی حفاظت کے لئے چوکیداروں کی، راستے بنانے اور سڑکوں کے دروازے بنانے کی اجرت کا بھی یہی حکم ہے اور یہ بات علم میں رہنی چاہیے، لیکن بوجہ خوف فتنہ اس کو مشہور نہیں کرنا چاہیے۔ پھر انہوں نے فرمایا: اس اصول کے مطابق خوارزم میں عام لوگوں سے دریائے جیحون کی منڈیروں اور فصیل کی دیواروں کی مرمت اور اس جیسی دوسری مصلحتوں کی خاطر عوام سے جو کچھ لیا جاتا ہے وہ ایک واجب دین ہے جس سے بچنا جائز نہیں اور یہ ظلم بھی نہیں ہے ،لیکن یہ مسئلہ عمل کرنے اور سلطان اور اس کے کارندوں کے بارے میں بدگوئی سے بچنے کے لئے علم میں تو رہنا چاہیے، لیکن یہ تشہیر کی بات نہیں ہے تاکہ حکام ضرورت سے زیادہ مطالبے کرنے کی جرات نہ کرنے لگیں۔ (آگے امام شامیؒ فرماتے ہیں:) اس مسئلے کو اس شرط کے ساتھ مقید کرنا چاہیے کہ جب بیت المال میں اتنی گنجائش نہ ہو جو ان کاموں کے لئے کافی ہو سکے۔)

(ابن عابدین، محمد أمین، الشامیۃ: ج ۲، ص ۳۳۶۔۳۳۷، طا ایچ ایم سعید، کراچی۔)

موجودہ دور میں ٹیکس کے جواز کے بارے میں حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔

(فی نفسہ جائز ہونے کے باوجود یہ اندیشہ علماء کرام نے ہمیشہ مدنظر رکھا ہے کہ کہیں یہ اجازت غلط استعمال نہ ہونے لگے۔ آجکل حکومتوں میں مالی بدعنوانیاں عام ہیں، قومی خزانے کو انتہائی بے دردی سے استعمال کیا جاتا ہے۔ قومی دولت کا بڑا حصہ حکمرانوں کے عیش وعشرت اور ٹھاٹ باٹ پر خرچ ہو جاتا ہے۔ بے شمار ایسے اخراجات ہیں جن کا کوئی جواز نہیں، بے مصرف کانفرنسوں اور بے مقصد دوروں کے اخراجات ناقابل یقین حد تک زیادہ ہوتے ہیں۔ حکام کے محلات کے اخراجات بے پناہ ہیں۔۔۔۔لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جدید دور کے تمدن نے بہت سی ایسے ضروری اخراجات پیدا کر دیئے ہیں جو عیاشی کی تعریف میں نہیں آتے، بلکہ اس دور میں کسی ملک کے باوقار طریقے سے جینے کے لئے ضروری ہیں۔ خود امام غزالیؒ نے اپنے زمانے میں یہ فرمایا ہے کہ مال غنیمت کا خمس الخمس اور فئی کے اموال جہاد کی ضروریات کے لئے کافی نہیں ہیں۔

آج کی حکومتوں کو بہت سے ایسی خدمات فراہم کرنا پڑتی ہیں جو پہلے حکومتوں کی ذمہ داری نہیں ہوتی تھیں۔ مثلاً ملک میں بجلی اور گیس کی فراہمی، نیز بہت سے شعبے جو پہلے بھی ہوتے تھے، لیکن ان اخراجات اتنے زیادہ نہیں ہوتے تھے۔ آج ان کے اخراجات دسیوں گناہ زیادہ ہو گئے ہیں، مثلاً دفاع کے لئے جدید ہتھیاروں کی فراہمی، پختہ سڑکوں کی تعمیر، مواصلات کے جدید ذرائع، ابلاغ کے وسائل، تعلیم اور صحت، ان میں سے ہر چیز کے اخراجات یقیناً بہت زیادہ ہوتے ہیں اور ان میں سے بیشتر میں زکوۃ اور عشر کی رقوم استعمال نہیں ہو سکتیں۔ لہذا اگر مروجہ فضول خرچیاں ختم بھی کر دی جائیں تب بھی مذکورہ بالا کاموں کے لئے صرف بیت

المال کے محاصل کی معروف مدات سے تمام اخراجات پورے ہونے بظاہر مشکل ہیں۔۔۔لہذا اگر کوئی صحیح اسلامی حکومت قائم ہوتو کم از کم اپنے ابتدائی دور میں اسے ''ضرائب النوائب'' کی ضرورت پڑے گی۔)

(اسلام اور سیاسی نظریات: ص ۳۰۳۔۳۰۴، ط مکتبۃ معارف القرآن کراچی) ۔

ٹیکس عائد کرنے کی شرائط:

واضح رہے کہ علماء نے ٹیکس کے جواز کو چند شرائط کے ساتھ مقید کیا ہے۔

پہلی شرط ضرورتِ حقیقی:

ملک ملت کی سلامتی اور بقاء اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے اس کی ضرورت حقیقی ہو اور دستیاب وسائل سے وہ پوری نہ ہوسکتی ہو تو ایسی صورت میں ٹیکس لگانا جائز ہے۔لیکن جب وہ ضرورت پوری ہو جائے تو ٹیکس ختم کر دیا جائے، ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے اس شرط میں بڑی سختی کی ہے، ان کے نزدیک جب تک سرکاری خزانہ خالی نہ ہو جائے تو ٹیکس لگانا درست نہیں اور اس سختی وشدت کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ حکام جائز ناجائز ٹیکس لگا کر اسراف شروع نہ کر دیں۔اسی پر امام نوادیؒ کے طرزِ عمل کو بطور مثال ذکر کرنا مناسب ہوگا۔

چنانچہ شام میں جب ظاہر بیبرس نے تاتاریوں سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا تو بیت المال میں ان وسیع اخراجات کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے علمائے شام سے ٹیکس لگانے کے بارے میں فتوی طلب کیا تو سب نے ضرورت کے تحت جواز کا فتوی دیا لیکن امام نووی نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور سلطان سے فرمایا:

(تم ایک امیر بندوقار کے غلام تھے۔آپ کا کوئی مال نہ تھا، پھر اللہ نے آپ پر احسان کیا اور آپ کو بادشاہ بنا دیا، اب میں سنا ہے آپ کے پاس ایک ہزار غلام ہیں اور ان میں سے ہر ایک پاس سونے کا پٹکا ہے اور آپ کے پاس دوسو باندیاں ہیں اور ہر باندی کے پاس زیورات کی پوٹلیاں ہیں اگر آپ یہ سارا مال خرچ کر دیں اور آپ کے غلاموں کے پاس سونے کے پٹکوں کے بجائے صرف اون کے کپڑے رہ جائیں، اور باندیوں کے پاس صرف کپڑے رہ جائیں، زیور نہ ہو تو میں آپ کو رعایا سے ٹیکس لینے کا فتوی دونگا۔)

(فقہ الزکوۃ: ج ۲، ص ۵۸۹، ط الرسالۃ العالمیۃ، بیروت) ۔

دوسری شرط: عادلانہ تشخیص اور وصولی:

ٹیکس لاگو کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تشخیص اور وصولی میں عدل وانصاف برقرار رکھا جائے یعنی ٹیکس کی اتنی کی مقدار ہو کہ عوام کے لئے قابلِ برداشت ہو ان کی حیثیت کے مطابق ہو، انکی طاقت واستطاعت سے زیادہ مقدار میں نہ ہو۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی اس شرط کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس مقام پر عدل وانصاف سے مراد مختلف درجے کے لوگوں کے درمیان مساوات وبرابری نہیں کیونکہ مختلف درجے کے لوگوں کے درمیان مساوات وبرابری عدل نہیں، بلکہ ظلم ہے، اس لئے ہر شخص پر اس کی اقتصادی حیثیت کو ملحوظ رکھ کر اسی کے مطابق ٹیکس لگایا جائے۔

"ولا نعنی بالعدل ((المساواة))فان المساواة بين المتفاوتين ظلم ،فليس بلازم أن تكون نسبة المأخوذ واحدة من الجميع ،بل يجوز لاعتبارات اقتصادية واجتماعية أن تختلف النسبةفيؤخذمن هذاأكثرمن ذاک ." (فقه الزكوة: ج ۲، ص ۱ ۵ ۹، ط الرسالة العالمية،بيروت) .

اسی لئے قرآن کریم میں ایک بنیادی اصول بیان کیا ہے۔

" لاتكلف نفس الّاوسعها " . (البقره:۲۳۳) .

سنت نبوی ﷺ اور آثار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین بھی اسی بات کی نشاندہی کرتے ہیں، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ کچھ آدمی کھڑے ہیں پتہ چلا کہ جزیہ کی ادائیگی نہ کرنے پر انہیں سزا دی جارہی ہے حالانکہ وہ ادائیگی کے قابل نہیں تو آپ نے فرمایا:

" دعوهم فانهم لاتكلفوهم مالايطيقون فانی سمعت رسول الله ﷺ يقول: لاتعذبوا الناس فان الذين يعذبون الناس فی الدنيايعذبهم الله يوم القيامة "

(انہیں چھوڑ دو انکی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دو اس لئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: لوگوں کو عذاب میں نہ ڈالو، اس لئے کہ جو لوگ دنیا میں انسانوں کو عذاب میں مبتلا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن عذاب میں مبتلا کرے گا۔) (کتاب الخراج لابی یوسف: ص ۱۳۸، ط المکتبۃ الازھریۃ للتراث) ۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ مسلمان تاجر جب دارالحرب میں تجارت کے لئے جاتے ہیں تو غیر مسلم ان سے عشر لیتے ہیں، حضرت عمرؓ نے جواب تحریر فرمایا: آپ بھی ان (حربی) تاجروں سے عشر، ذمیوں سے نصف عشر اور مسلمانوں سے

ہر دو سو دراہم میں پانچ (ربع عشر) وصول کریں۔ (القرشی، یحی بن آدم، الخراج: ج۲، ص۷۵، ط المکتبۃ الشاملۃ)۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ ٹیکس کی مقدار اتنی ہو جو ہر فرد کے لئے قابلِ برداشت ہو، اور یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ ہر شخص کی انفرادی ضروریات کی حد تک کفالت کرنے والی آمدنی سے زائد آمدنی پر ٹیکس لگایا جائے، کیونکہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

" یسئلونک ماذاینفقون قل العفو" . (البقرۃ: ۲۱۹)

(لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کس قدر راہِ خدا میں خرچ کریں، آپ کہہ دیجئے جو تمہاری ضرورت سے زائد ہو) ۔

لہٰذا اگر اتنی زیادہ مقدار میں ٹیکس لگایا جائے جو عوام کے لئے ناقابل برداشت ہو تو یہ ناجائز و حرام ہے اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھاری ٹیکسوں کو ملک وملت کی تباہی کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اس زمانے میں شہروں کی ویرانی کے دو بڑے باعث ہیں۔

(۱).....لوگوں پر بیت المال کو تنگ کر دینا۔۔۔۔

(۲).....مزارعین اور سوداگروں اور پیشہ وروں پر بڑے بڑے ٹیکس مقرر کرنا ویرانی کا باعث ہے۔ اس کی وجہ سے فرمانبردار لوگوں کا اتصال ہو جاتا ہے اور جن لوگوں کو قوت ہوتی ہے وہ درپے بغاوت ہو جاتے ہیں۔ تمدن کی اصلاح خفیف لگان سے اور بقدرِ ضرورت محافظین ملک کے قائم کرنے سے ہوتی ہے۔ اہل زمانہ کو اس نکتہ سے واقف رہنا چاہیئے۔

(حجۃ اللہ البالغۃ مترجم مولانا عبدالحق حقانی: ص۲۹، ط دارالاشاعت)۔

تیسری شرط: ٹیکس کی رقم مصالح امت میں خرچ کی جائے:

ٹیکس لاگو کرنے کے لئے صرف اتنی بات کافی نہیں کہ ٹیکس حق وانصاف کے ساتھ لگائے جائیں، بلکہ یہ بات بھی ضروری ہے کہ ٹیکس کی ملک وملت کی حقیقی ضروریات سادگی اور کفایت شعاری کے ساتھ خرچ کی جائے، کیونکہ عوام الناس سے لیا گیا ٹیکس حکومت کے پاس امانت ہے اور امانت کو اس کے اہل تک پہنچانا شرعاً واجب ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: " ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامنٰت الی أھلھا " . (النساء: ۵۸)

(اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کی جائیں۔)

لہٰذا ایک پیسہ بھی کسی غیر ضروری جگہ میں خرچ کیا گیا تو گویا امانت نااہل کے سپرد ہوئی۔

چوتھی شرط: ٹیکس کی وصولی کا طریقہ کا آسان ہو:

ٹیکس کی وصولی میں حکومت وقت کو اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ ٹیکس کی وصولی کا طریقہ کا آسان ہو، لوگوں کے لئے تکلیف دہی اور ایذاء رسانی کا باعث نہ ہو اور نہ ہی لوگوں سے وصول کرتے وقت سختی کی جائے۔

امام ابو یوسفؒ نے خلیفہ ہارون الرشید کو مخاطب کر کے ٹیکس کی وصولی میں سختی اور ظلم سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

" وهذا عظيم عند الله شنيع في الاسلام " . (كتاب الخراج لابی یوسف: ص ۱۱۲، ط المكتبة الازهرية للتراث) . (ٹیکس کی وصولی میں سختی اور ظلم اللہ کے نزدیک بہت بڑا جرم ہے اور اسلام ان حرکتوں کو بدترین سمجھتا ہے) ۔امام ابو یوسفؒ مزید تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ان العدل والنصاف المظلوم وتجنب الظلم مع مافی ذلک من الاجر یزید به الخراج تکثربه عمارة البلاد والبركة مع العدل تكون وهی تفقد مع الجور ، والخراج المأخوذمع الجور تنقص البلادبه وتخرب " . (کتاب الخراج لابی یوسف: ص ۱۲۵، ط المکتبۃ الازھریۃ للتراث) ۔

(بلاشبہ عدل اور مظلوم کے ساتھ انصاف اور ظلم سے اجتناب ان باتوں میں جو اجر وثواب ہے وہ تو ظاہر ہے اس کے علاوہ یہ فائدہ ہے کہ اس سے خراج وشہروں کی آبادی بڑھتی ہے۔اور عدل وانصاف سے برکت میں اضافہ ہوتا ہے اور ظلم سے برکت مٹ جاتی ہے ، جو خراج ظلم سے حاصل ہوتا ہے اس سے شہر اجڑ جاتے ہیں اور اس میں تباہی وخرابی آتی ہے)۔

اس کے ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ عوام سے ٹیکس وصول کرتے وقت ان پر چوری کا الزام لگا کر مزید وصول نہ کیا جائے، کیونکہ یہ ظلم ہے۔امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: " لايدعى عليهم بنقيصة فتؤخذمنهم " .

(کتاب الخراج لابی یوسف: ص ۱۲۲، ط المکتبۃ الازھریۃ للتراث)۔

امام وقت عوام کی سہولت کے لئے ٹیکس کا الگ محکمہ بنائے اور اس میں ایسے ملازمین، عملہ کا تعین کرے جو دیانت دار ، نرم دل اور رشوت سے اجتناب کرنے والے ہوں۔حکومت کا ان کی کڑی نگرانی کرنا بھی لازم ہے۔

.....☆☆☆☆☆.....